داؤد احمد (سیتا پور)

زندہ جذبات اور انسانی اقدار کا شاعر

احمد فراز

فیض احمد فیض، مجروح سلطان پوری اور ناصر کاظمی کے بعد جن شعراء نے غزل کی اعلیٰ روایات کا پاس رکھا اور اسے مقبول عام بنانے کی کوشش کی ان میں احمد فراز کا نام خاص اہمیت کا حامل ہے۔ احمد فراز (۱۴ رجنوری ۱۹۳۱۔ ۲۵ ر اگست ۲۰۰۸) غیر منقسم ہندوستان کے اس حصے سے تعلق رکھتے تھے جہاں سے اب تک اردو کا کوئی اہم شاعر پیدا نہیں ہوا تھا۔ ان کی ولادت ۱۴ رجنوری ۱۹۳۱ء کو نوشہرہ (پشاور) میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم کوہاٹ میں حاصل کی، ایڈورڈ کالج پشاور سے بی۔ اے کیا، اور پشاور یونیورسٹی سے اردو اور فارسی میں ایم۔ اے کیا۔ اسکول کی تعلیم کے زمانہ میں ہی شاعری شروع کی۔ احمد فراز کے والد اردو کے علاوہ فارسی کے بھی اچھے شاعر تھے۔ فراز کی مادری زبان پشتو تھی۔ احمد فراز نے اردو اور فارسی کی تعلیم اعلیٰ پیمانے پر حاصل کی۔ فراز کی تعلیم ایسے ماحول میں ہوئی جہاں بیدل، سعدی، حافظ، عرفی، نظیری اور غالب کی فارسی شاعری کے چرچے تھے۔ کوہاٹ اور پشاور میں اردو شاعری کے لئے بھی سازگار ماحول تھا۔ کچھ تو اس ماحول کی دین تھی اور کچھ فراز کی فطری صلاحیتوں کا کرشمہ تھا کہ فراز کی غزل میں کلاسیکی رچاؤ کی کیفیت پیدا ہوئی۔ احمد فراز کے بزرگ معاصر اور اردو کے باکمال اور ہر دلعزیز شاعر فراق گورکھپوری نے فراز کی شاعری کے بارے میں کہا تھا: "احمد فراز کی شاعری اردو میں ایک نئی اور انفرادی آواز کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان کے وجدان اور جمالیاتی شعور کی ایک خاص شخصیت ہے جو نہایت دلکش خدوخال سے مزین ہے۔ وہ صداقت کے نئے مقامات سے اپنی باتیں کہتے ہیں اور یہ باتیں دعوت فکر دیتی ہوئی حد درجہ دلکش و دلنشیں ہیں۔ ان کا کلام اردو شاعری کے نئے موڑ کے کئی نازک زاویوں کی لچک اور تھرتھراہٹیں اپنے اندر رکھتا ہے۔" ایسی بے ساختہ اور جچی تلی داد و تحسین فراق گورکھپوری نے اپنے معاصرین میں شاید ہی کسی کو دی ہو۔

احمد فراز نے ممتاز ترقی پسند شاعر فیض احمد فیض کے زیر سایہ اپنے تخلیقی سفر کا آغاز کیا۔ فیض کے بعد احمد فراز عالمی شہرت و مقبولیت کے حامل ایک اہم اور منفرد غزل گو ہیں جن کی شاعری رومان و انقلاب کے حسین

امتزاج سے عبارت ہے۔ احمد فراز اپنی غزلوں کے حوالے سے زیادہ پہچانے گئے اور پسند کئے گئے۔ فراز کے غزل کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ ہمیں اپنے جذبوں میں شریک کر لیتی ہے۔ اس کی عام مقبولیت کا ایک بڑا سبب یہی ہے کہ وہ بہت قریب سے اپنی شناخت کراتی اور اپنے جذبوں میں شمولیت کی راہیں کھلی رکھتی ہے۔ انسانی جذبوں میں عشق کا مرتبہ سب سے بلند ہے۔ ہماری شاعری کا بڑا حصہ عشقیہ جذبوں پر استوار تھا، جس کے کئی ابعاد تھے۔ وصل ایک خفیف ترین مہلت زماں کا نام ہے اور ہجر ایک ایسی واردات جو عشق کے جذبے کو کبھی مرنے نہیں دیتی۔ احمد فراز کے یہاں ہجر کا تجربہ تمام تجربوں پر فوقیت رکھتا ہے۔ وہ تمام اشعار جو دوری اور فاصلے یا انتظار کی کیفیت کے مظہر ہیں اصلاً ہجر کی کیفیت ہی سے مشتق ہیں:

ہمیشہ کے لئے مجھ سے بچھڑ جا — یہ منظر بارہا دیکھا نہ جائے
دور ہے تو، تو تری آج پرستش کر لیں — ہم جسے چھو نہ سکیں اس کو خدا کہتے ہیں
کسی کو گھر سے نکلتے ہی مل گئی منزل — کوئی ہماری طرح عمر بھر سفر میں رہا

اس قسم کے جذبوں اور تجربوں کی اپنی قیمت ہے۔ فراز نے انھی استعاروں اور اشاروں میں سیاسی تناؤ اور کشاکش کو بھی زبان دی ہے۔ اس معنی میں فراز نے غزل کو محض اظہار ذات کا وسیلہ ہی نہیں بنایا بلکہ وہ کئی اطراف کو محیط ہے۔

فیض احمد فیض کی عوامی اور رومانی شاعری نے جس میں انسانی اقدار اور تہذیبی سچائیاں ایک مرکزی حیثیت رکھتی تھیں۔ پورے برصغیر کی اجتماعی انسانی آرزوؤں کی ترجمانی کے لئے جو شعری آہنگ ایجاد کیا تھا اس کی وراثت براہ راست احمد فراز کو پہنچی ہے۔ احمد فراز نے اس وراثت میں عشقیہ اور سیاسی علامتوں کو یکجا کر کے ایسے نئے پہلوؤں کا اضافہ کیا جن میں ایک طرف دبے کچلے لوگوں کے انسانی وقار کو بحال کرنے کی خواہش نمایاں ہے تو دوسری طرف انسانی جذبوں کو ان کے مختلف رنگوں میں پوری شدت کے ساتھ محسوس کرنے کی صلاحیت موج زن ہے۔ فراز کی شاعری نے بہ یک وقت نوعمری کے جذبوں اور پختہ افکار دونوں کی تسکین کا سامان بہم پہنچایا جس کی وجہ سے انھیں برصغیر کے تمام اہل اردو میں ایسی مقبولیت حاصل ہوئی جس کا صرف تصور کیا جا سکتا ہے۔ ہندوستان کی دیگر زبانوں میں بھی وہ اتنے ہی مقبول اور محترم ہیں جتنے کہ اردو والوں کے لئے۔ ان کی شاعری میں عام انسانوں کی زندگی کے مسائل اور عام جذبوں کو چھونے کی غیر معمولی صلاحیت ہے اور یہی ان کی بے پناہ مقبولیت کی بنیاد بھی ہے۔

موجودہ دور میں سماج کا سب سے بڑا مسئلہ اور انسانی زندگی کا ایک بڑا المیہ انسانی قدروں کی پامالی ہے اور یہ پامالی ایک ایسی تاریکی کے مانند ہے جسے آج ہم نے دور نہ کیا تو یہ اجالوں پر بھی اپنی کمند ڈال دے

گی۔احمد فراز نے ایک تیکھے طنز کے ساتھ اس طرف بے باکی سے اشارہ کیا ہے:

ایسی تاریکیاں آنکھوں میں بسی ہیں کہ فراز
رات تو رات ہے،ہم دن کو جلاتے ہیں چراغ

احمد فراز کی بصیرت اور ان کا وجدان وسیع ہے اور ان کی فکر کسی مخصوص خطۂ عرض کا احاطہ نہیں کرتی۔دنیا میں جہاں کہیں بھی انسانی قدروں کو پامال اور عزت وتقدس کو رسوا کیا جارہا ہو،ان سب کے لئے احمد فراز اپنے قلبی رنج وغم کا اظہار کرتے ہیں:

زمانے بھر کے دکھوں کو لگالیا دل سے
اس آسرے پہ کہ اک غمگسار اپنا ہے

تنہائی میں روتے ہیں کہ یوں دل کو سکوں ہو
یہ چوٹ کسی صاحب محفل سے لگی ہے

چوں کہ ہر نثری سہ پارہ اور ہر شعری تخلیق اپنے دور کی عکاسی کرتی ہے،اس لئے یہ عکاسی اور سماج کی نباضی فراز کے کلام میں بھی نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔ان کی شاعری میں فرد کے ذاتی دکھ درد،اس کی ناکامیوں اور محرومیوں اور انسانی ہمدردی کے گہرے جذبات کو بخوبی محسوس کیا جاسکتا ہے۔احمد فراز نے خیال آفرینی کی اونچی اڑانیں بھرنے کی کوشش نہیں کی،فلسفہ طرازی سے مرعوب نہیں کیا،فراز نے انسانی تجربے کی کسک کو بڑی شدت کے ساتھ محسوس کیا ہے اور محبت کو جوان کی زندگی میں دانست زندگی بھی ہے اور حاصل زندگی بھی، ارضی تناظر میں دیکھا اور محسوس کیا ہے:

تو خدا ہے نہ مرا عشق فرشتوں جیسا
دونوں انساں ہیں تو کیوں اتنے حجابوں میں ملیں

غزل ایک ایسی وسیع القلب اور مہربان صنف سخن ہے کہ ہر اچھے شاعر کو دس پانچ بہت اچھے شعر نکال لینے کا موقع عطا کرتی ہے۔احمد فراز بنیادی طور پر غزل گو اور درد وعشق کے شاعر ہیں۔انھوں نے گوناگوں تجربات محبت کی بڑی طرحداری اور دلکشی کے ساتھ تصویر کشی کی ہے۔فراز کی غزلیہ شاعری میں جواثر آفرینی اور جاذبیت ہے،اس کی مثالیں ان کے ہم عصروں میں کم نظر آتی ہیں۔احمد فراز کا عشق ہجر مسلسل اور دائمی فراق کا عشق نہیں،بل کہ بچھڑ جانے کے دلخراش اور کرب آفرین تجربے کا درد ہے۔ان کے کلام میں ایسے اشعار ہماری نظر سے گزرتے ہیں:

رنجش ہی سہی دل ہی دکھانے کے لئے آ
آ پھر سے مجھے چھوڑ کے جانے کے لئے آ

کس کس کو بتائیں گے جدائی کا سبب ہم
تو مجھ سے خفا ہے تو زمانے کے لئے آ

ڈھونڈ اجڑے ہوئے لوگوں میں وفا کے موتی
یہ خزانے تجھے ممکن ہے خرابوں میں ملیں

ہوا ہے تجھ سے بچھڑنے کے بعد یہ معلوم
کہ تو نہیں تھا ترے ساتھ ایک دنیا تھی

وہ جس گھمنڈ سے بچھڑا گلہ تو اس کا ہے   کہ ساری بات محبت میں رکھ رکھاؤ کی ہے

واقعی بہت اچھی ہیں اور وقت کی کسوٹی پر پوری اتر چکی ہیں میرا مطلب یہ ہے کہ اگر چہ یہ غزلیں ۶۵۔۱۹۶۴ میں لکھی گئی تھیں لیکن آج بھی ان کے کئی اشعار زبان زد خاص و عام ہیں۔ اگر چہ ان غزلوں کو مہدی حسن، اقبال بانو اور ملکہ پکھراج وغیرہ نے گایا بھی ہے لیکن یہ کہنا غلط ہوگا کہ ان غزلوں کی شہرت مذکرہ گلوکاروں کی مرہون منت ہے۔ یہ غزلیں احساس کی بھٹی میں تپ کر نکلی ہیں۔ احمد فراز کی بعد والی غزلوں میں:

سنا ہے لوگ اسے آنکھ بھر کے دیکھتے ہیں   سو اس کے شہر میں کچھ دن ٹھہر کے دیکھتے ہیں

بہت زیادہ مقبول ہوئی۔ اس حد تک کہ آج بھی بہت سے موسمی پرندے اس پر چونچ مارتے رہتے ہیں۔ فراز صاحب چونکہ فیض کے بھی بڑے معتقد تھے اس لئے انھوں نے فیض کی زمینوں میں بھی غزلیں کہی ہیں۔ ایسی ہی ایک غزل کا یہ شعر ملاحظہ ہو:

منصف ہو اگر تم تو کب انصاف کرو گے   مجرم ہیں اگر ہم تو سزا کیوں نہیں دیتے

اب اس شعر کے مقابلے میں فیض کا شعر ملاحظہ ہو:

مٹ جائے گی مخلوق تو انصاف کرو گے   منصف ہو تو اب حشر اٹھا کیوں نہیں دیتے

احمد فراز کا کلام ماضی کی کلاسیکی شاعری اور حال کے تقاضوں کے درمیان ایک جاذب کڑی معلوم ہوتی ہے۔ فنی روایات کی پاسداری کے ساتھ ساتھ احمد فراز نے غزل کے روایتی آہنگ اور اس کے لب و لہجے کی کورانہ نقالی سے گریز کیا اور نئے لب و لہجے، نئی علامتوں، نئی امیجری اور ابلاغ کے جدید وسیلوں سے کام لیا ہے۔ احمد فراز نے روایت کو اپناتے ہوئے اس فرسودگی سے گریز کیا جو نئے رجحانات کی پذیرائی اور نئی علامتوں کی معنویت سے بیگانہ تھی:

تمام عمر کہاں کوئی ساتھ دیتا ہے   یہ جانتا ہوں مگر تھوڑی دور ساتھ رہو

اب مرے واسطے تریاق ہے الحاد کا زہر   تم کسی اور پجاری کے خدا ہو جانا

کلام فراز کے تیرہ مجموعے شائع ہوئے ہیں۔ موضوعی تجربات اور معروضی مشاہدات کو گویائی عطا کرنے میں فراز کا رچا ہوا شعری ذوق، ان کا جمالیاتی شعور، فنی آگہی اور ادبی بصیرت بہت کام آئی۔ فراز کی شاعری پر فیض کا جو اثر ہے وہ داخلی واردات کی عکاسی اور عصری حسیت کے اظہار کی سطح پر محسوس کیا جا سکتا ہے۔ فیض کے انتقال پر "بیاد فیض" کے عنوان سے احمد فراز نے جو اشعار کہے ہیں وہ فیض سے ان کے ذہنی قرب اور جذباتی لگاؤ کے ترجمان ہیں:

گرفتہ دل ہے بہت شام شہر یاراں آج   کہاں ہے تو کہ ترا حال دلبراں لکھوں

کہاں گیا ہے میرے دل میرے مسافر تو | کہ میں تجھے رہ منزل کا ماجرا لکھوں
تو مجھ کو چھوڑ گیا لکھ کے نسخہ ہائے وفا | میں کس طرح تجھے اے دوست بے وفا لکھوں

بعض نقادوں نے فراز کو فیض کا جانشین قرار دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ جانشینی ہم عصر شعراء میں سب سے زیادہ فراز ہی کو زیب دیتی ہے۔ دونوں کی شاعری میں قدیم وجدید طرز سخن کا امتزاج ہے۔ دونوں کو ان کے ملک کے ارباب اقتدار ہمیشہ شبے کی نظروں سے دیکھتے تھے۔ دونوں نے اپنے طور پر جلاوطنی اختیار کی اور ملکوں ملکوں خاک چھانتے پھرتے۔ دونوں کو قید وبند کی صعوبتیں جھیلنی پڑیں۔ فیض اور فراز دونوں ہی کو بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ احمد فراز کے کلام میں فیض کا رنگ جھلکتا ہے جس طرح دو خوش رنگ پھولوں میں مشابہت ہو تو ان کی جاذبیت اور دلکشی میں فرق نہیں آتا اسی طرح احمد فراز کی شاعری اپنے فطری حسن کی وجہ سے ہمیشہ قدر کی نگاہوں سے دیکھی جائے گی اور دلوں میں گھر کرتی رہے گی۔ احمد فراز کی غزلیں مہدی حسن، اقبال بانو، بیگم اختر، غلام علی اور ملکہ پکھراج جیسے کانوں میں رس گھولنے والے ماہرین موسیقی نے بڑے ذوق وشوق اور فنکارانہ محویت کے ساتھ گائی ہیں۔ کسی شاعر کے کلام کا آسانی سے یاد رہ جانا شاعر کی بڑائی کی دلیل نہ سہی لیکن اس کا ایک وصف ضرور ہے۔ ان کے کلام کی نغمگی فوری طور پر متوجہ کرتی ہے اور دل کو موہ لیتی ہے۔ احمد فراز کی احتجاجی اور باغیانہ شاعری کا ایک مختصر سا دور تھا۔ ذوالفقار علی بھٹو کے زوال کے بعد احمد فراز کو احساس ہوا کہ ان کا ستارہ گردش میں آسکتا ہے، اس لئے وہ کچھ عرصے کے لئے ملک سے باہر چلے گئے اور یورپ میں قیام پذیر رہے۔ اسے جلاوطنی کا نام دیا گیا۔ احمد فراز کی احتجاجی شاعری اسی دور کی یادگار ہے۔ احتجاجی شاعری کی ایک مثال ان کی نظم "محاصرہ" ہے۔ اس نظم کا یہ بند ملاحظہ ہو:

مرا قلم نہیں تسبیح اس مبلغ کی | جو بندگی کا بھی ہر دم حساب رکھتا ہے
مرا قلم نہیں میزان ایسے عادل کی | جو اپنے چہرے پہ دہرا نقاب رکھتا ہے
مرا قلم تو امانت ہے میرے لوگوں کی | مرا قلم تو عدالت مرے ضمیر کی ہے
اسی لئے تو جو لکھا تپاک جاں سے لکھا | جبھی تو لوچ کماں کا، زبان تیر کی ہے

احمد فراز کے چند شعر دیکھئے جو ان کے باغیانہ مزاج کی گواہی دیتے ہیں:

خلعت کے لئے حرف کا سودا نہیں کرتے | کچھ لوگ ابھی وضع ہماری نہیں بھولے
دانے کی ہوس لا نہ سکی دام میں مجھ کو | یہ میری خطا میرے شکاری نہیں بھولے
ہم مرحبا کہتے ترے ہر تیر ستم پر | سچ بات کہ دل اتنا کشادہ بھی نہیں تھا
جو لکھ نہیں سکتا صف مژگاں پہ رقم ہے | "گو ہاتھ کو جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے"

بلاشبہ احمد فراز امن و انسانیت کے دیوانے تھے۔ خلوص اور اخلاقیات کے دیوانے تھے۔ حسن و عشق کے دیوانے تھے۔ دوستی اور اخوت کے دیوانے تھے۔ جمہوریت، مساوات اور انصاف کے دیوانے تھے۔ علم و ادب اور شاعری کے دیوانے تھے اور سب سے بڑی بات یہ کہ وہ تمام عالم انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے کام کے دیوانے تھے۔ احمد فراز کی اس دیوانگی نے نہ صرف پاکستان اور ہندوستان بلکہ تمام دنیا کو اپنا دیوانہ بنا رکھا تھا۔ ہندوستان سے انھیں بے حد لگاؤ تھا۔ ہندوستان کے لوگ بھی انھیں جی جان سے چاہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا بیشتر وقت ہندوستان ہی میں گزرتا تھا۔ ہندوستان اور پاکستان کو ایک دوسرے کے قریب لانے کے لئے انھوں نے جو رول ادا کیا ہے اسے فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

احمد فراز کی شاعری کو عوامی مقبولیت بھی حاصل تھی جس کے گواہ وہ ہزاروں لوگ ہیں جنھوں نے انھیں مشاعرے پڑھتے بلکہ مشاعرے لوٹتے دیکھا ہے۔ مشاعروں میں ان کی شاعری ہی نہیں، ان کی وجیہ شخصیت اور گرجدار آواز کا جادو بھی سامعین کو مسحور کر دیتا تھا لیکن فراز کی شاعری کاغذ پر آ کر بھی اپنا آب و رنگ برقرار رکھتی ہے۔ ادب کی جن برگزیدہ شخصیتوں نے ان کے فکر و فن کو سراہا ہے، ان میں فراق، فیض، احمد ندیم قاسمی، مجروح سلطانپوری اور ضمیر جعفری جیسے نامور شعراء بھی شامل ہیں۔ احمد فراز ایک رند بلانوش ہونے کے ساتھ ساتھ غضب کے حسن پرست تھے اور حسن والوں میں ان کی پذیرائی بھی غضب کی تھی۔ لیکن رند مشرب اور عشق پیشہ ہونا ان کی شخصیت کا ایک پہلو تھا۔ دوسرا پہلو ان کی انسان دوستی، حریت پسندی اور حق پرستی تھی جس نے انھیں ان قدروں کو پامال کرنے والوں کے سامنے سینہ سپر ہو جانے کا حوصلہ بخشا تھا۔ جہاں جہاں بھی انھوں نے انسانی شرف کی پامالی اور بے حرمتی دیکھی، اس کے خلاف آواز اٹھائی اور ظلم و ناانصافی کی طاقتوں کو للکارا۔ یہ للکار ان کی شاعری میں خاص طور پر ان کی نظموں میں صاف سنی جاسکتی ہے۔ اگر اپنی غزلوں میں وہ حسن و عشق کے مغنی کے روپ میں نظر آتے ہیں تو ان کی زیادہ تر نظموں میں ایک مرد انقلابی کی گھن گرج سنائی دیتی ہے۔ جدید اردو شاعری آج ان موضوعات کی نمائندگی اور عکاسی کرتی ہے جن کا ماضی میں تصور بھی محال تھا۔ موجودہ دور میں غزل کے موضوعات کی رنگا رنگی اور مضامین کے تنوع نے غزل کو مالا مال کر دیا ہے۔ احمد فراز کا شمار یقیناً بیسویں صدی کے اہم شاعروں میں ہوتا ہے۔ ان کا ادبی کیریر کم و بیش نصف صدی سے بھی زیادہ عرصے پر پھیلا ہوا ہے۔ ان کے کلام کے بیس سے زیادہ مجموعے شائع ہوئے۔ عام شاعروں کے برعکس جن کے کلام کا ایک مجموعہ بھی برسوں میں فروخت نہیں ہو پاتا، احمد فراز کے ہر مجموعے کے کئی کئی ایڈیشن شائع ہوئے اور ہاتھوں ہاتھ بک گئے۔ ملکی اور بین الملکی زبانوں میں ان کے کلام کے تراجم ان کے وسیع حلقۂ قارئین کو مزید وسعت عطا کر گئے۔ ☆☆☆

جلد نمبر ۷ شمارہ نمبر ۲۔۳ امراوتی، مہاراشٹر (ہند) اپریل تا ستمبر ۲۰۱۸ء

سرپرست : جناب منور پیر بھائی (پونہ)

مدیر

وسیم فرحتؔ (علیگ)

Email:wkfarhat@gmail.com Cell.09370222321

نائب مدیران: کلیم ضیاؔ احسنؔ ایوبی

مشیر

شمیم فرحتؔ

شمارہ ہٰذا	۲۰۰ روپے
لائبریری اور اداروں سے	۲۵۰ روپے
لائف ممبر شپ	۵۰۰۰ روپے
یورپی ممالک کیلئے	۱۲ امریکی ڈالر
برطانوی ممالک کیلئے	۱۶ پاؤنڈ
پاکستان کیلئے	۹۰۰ ہندوستانی روپے
خلیجی ممالک کیلئے	۹۰۰ ہندوستانی روپے

خط و کتابت کے لیے:

Waseem Farhat (Alig)
Post Box No.55, H. O,
AMRAVATI-444601(M.S)INDIA

صرف زرِ سالانہ اور رجسٹری ڈاک کے لیے:

The Editor,URDU,
"Adabistan", Near Wahed Khan
UrduD.Ed.College, Walgaon Road,
AMRAVATI-444601,Maharashtra (India)

پاکستانی خریداروں کا صرف زرِ سالانہ بھجوانے کیلئے:

بزمِ تخلیقِ ادب پاکستان
II-B/18، کمرشل ایریا، نزد سپر ایشیا بیکری، ناظم آباد، کراچی
موبائل:0321-8291908

اگر آپ چیک یا ڈرافٹ بھیجنا چاہیں تو صرف SEHMAHEE URDU اس نام سے بھیجیں۔

Scanned by CamScanner